معرفتِ حدیث کے بنیادی علوم

ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی ☆

حدیث کی معرفت کے لیے سند و متن دونوں کی تحقیق ضروری ہوتی ہے۔ محدثین نے سند و رجال کی تحقیق کے لیے فنِ اسماء رجال اور علم جرح و تعدیل اور نقدِ متن کے لیے علمِ درایت اور اس جیسے دیگر علوم و فنون ایجاد کیے۔ نقدِ متن' تحقیق سند کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور مشکل کام ہے۔ محدثین نے اپنی بہترین کوششوں سے اس فن میں کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جس میں بعد والوں کے لیے کسی کام کی گنجائش ہو۔ زیر نظر مضمون میں معرفتِ حدیث کے ان بنیادی علوم کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے جن کے بغیر بعض مرتبہ حدیث کا مفہوم متعین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۱) علم مختلف الحدیث

علم مختلف الحدیث ان قواعد و ضوابط کا نام ہے جن کی مدد سے ایسی دو حدیثوں کے درمیان تطبیق یا ترجیح قائم کی جاتی ہے جو معنی اور مفہوم میں متعارض ہوں۔ جیسے یہ حدیث ((لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ))[۱] ''کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی فال / شگون اچھا یا برا ہوتا ہے''۔ اور حدیث ((فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ))[۲] ''مجزوم (یعنی جسے کوڑھ کا مرض ہو) سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو''۔ دونوں حدیثیں باہم متعارض ہیں۔ ذخیرۂ حدیث میں اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔ جہاں دو حدیثوں کا مفہوم آپس میں متعارض ہوتا ہے ان میں کوئی ایک مفہوم متعین کرنا ہوتا ہے۔ فن حدیث میں اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں جو مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں' ان میں سب سے پہلی کتاب امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی ہے جو ''اختلاف الحدیث'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں امام صاحب نے بہت سی متعارض حدیثوں کے درمیان جمع و تطبیق یا ترجیح کا عمل انجام دیا ہے۔ اگرچہ اس میں آپ نے استیعاب کا قصد نہیں کیا تاہم اس کام کے تجربہ اور ضمن میں اس فن کے کچھ ایسے اصول سامنے آئے جن کی مدد سے معارض نصوص میں تطبیق یا ترجیح کا عمل انجام دینے کی راہ بڑی حد تک ہموار ہوگئی۔

اس کے بعد ابن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ) نے اس موضوع پر اپنی مشہور زمانہ کتاب ''تاویل مختلف الحدیث'' تصنیف فرمائی' جس میں خاص طور پر ان اشکالات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی جن کا تعلق ایمانیات یا اخلاقیات سے ہے۔ (احکام سے متعلق متعارض نصوص کو بہت کم موضوع بحث بنایا گیا ہے۔)

اس کے بعد امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ مصری' طحاوی (م ۳۲۱ھ) نے ''مختلف الحدیث'' کی

☆ ایسوی ایٹ پروفیسر' شعبہ دینیات' مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ

تالیف فرمائی۔ احادیث احکام کے تعلق سے ان کی کتاب ’’شرح معانی الآثار‘‘ لاجواب تصنیف ہے۔ اور اس سے بھی بڑی ان کی کتاب ’’بیان مشکل الآثار‘‘ ہے جو جمیع ابواب دین سے متعلق ممکنہ حد تک تمام ہی مشکل یا متعارض احادیث کی تشریح اور تاویل کے سلسلہ میں ایک موسوعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے علاوہ ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کی ’’تهذيب الآثار‘‘ جو زمانہ کے دستبرد کی نذر ہو گئی لیکن اس کی دو یا تین جلدیں جو محفوظ رہ گئیں تھیں وہ طبع ہو چکی ہیں۔

رفعِ تعارض کا طریقہ

نسخ : اگر دو یا دو سے زائد حدیثوں میں بظاہر تعارض ہو تو اس تعارض کو دور کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ سے ان میں سے کسی ایک کے منسوخ ہونے کی صراحت کسی حدیث میں تو وارد نہیں۔ اگر کسی حدیث مرفوع میں نسخ کی صراحت ہو تو یہ نسخ منصوص ہے اور باتفاقِ علماء مقدم ہے۔ چنانچہ ناسخ پر عمل کیا جائے گا اور منسوخ حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا۔

ترجیح : اگر نسخ منصوص کا وجود نہیں تو ترجیح کا عمل اختیار کیا جائے گا۔ یعنی وجوہ ترجیح کی بنیاد پر ایک حدیث کو دوسری پر راجح قرار دیا جائے گا۔

جمع و تطبیق : اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو ممکنہ حد تک دونوں میں جمع و تطبیق کی کوشش کی جائے گی۔

توقف : اگر دونوں حدیثوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو دونوں حدیثوں کے سلسلے میں توقف اختیار کیا جائے گا۔

ترجیحی عمل کی تشریح

ترجیحی عمل کا مطلب ہے اخبار واحاد کا دیگر ادلہ شرعیہ سے موازنہ کرنا‘ جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) عرض الحديث على القرآن (حدیث کا قرآن کریم سے موازنہ)

(۲) عرض الحديث على السنة المشهورة (حدیث کا سنت مشہورہ سے موازنہ)

(۳) عرض الحديث على الاجماع (حدیث کا اجماعِ اُمت سے تقابل)

(۴) عرض الحديث على الاحاديث الثابتة فى الباب (حدیث کا ان دیگر احادیث سے موازنہ جو باب میں وارد ہیں۔)

(۵) عرض الحديث على عمل المتوارث فى الامة (حدیث کا امت کے اس موروثی تعامل سے موازنہ جو نسلاً بعد نسل چلا آرہا ہے)

(۶) عرض الحديث على القواعد الكلية الثابتة فى الشرع (حدیث کا شریعت کے ان مسلمہ اصولوں سے موازنہ جو قواعد کلیہ کی حیثیت رکھتے ہیں)

(۷) عرض خبر الواحد على ما تعم به البلوىٰ وغیرہ۔ (یہ دیکھنا کہ حدیث‘ جو فرد واحد کی خبر ہے‘ کہیں ایسے مسئلہ سے متعلق تو نہیں جو تمام لوگوں کی عمومی ضرورت ہوتی ہے‘ کیونکہ اس کا علم کثیر لوگوں کو ہونا چاہیے۔ ایسے مسئلے میں شخص واحد کا روایت کرنا یہ گمان پیدا کرتا ہے کہ کہیں یہ حدیث کسی باطنی علت کا شکار تو نہیں۔)

(۱) حدیث کا قرآن سے موازنہ: اس میں شک نہیں کہ اصل کتاب ہدایت قرآن کریم ہے اور حدیث نبوی اس کی شرح و بیان کا درجہ رکھتی ہے۔ اور جیسا کہ معلوم ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ و معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہیں' جبکہ حدیث نبوی کے معنی تو اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں اور عام طور پر ان کی روایت بالمعنی ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم اور اسی کی شرح ''حدیث'' جو منجانب اللہ ہے دونوں آپس میں متناقض و متعارض ہوں۔ پس اگر کسی حدیث کا مفہوم قرآن کے معنی سے معارض ہوتا ہے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ اس حدیث کی روایت میں کوئی خلل اور نقص ہے' یعنی جو کلام رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ آپ کا نہیں بلکہ راوی کی جانب سے کسی خطا و نسیان یا پوری بات نقل نہ کرنے یا اصل مرادِ نبوی کو نہ سمجھ کر اپنے الفاظ میں بیان کرنے کا نتیجہ ہے' جبکہ قرآن کریم اس طرح کے تمام احتمالات سے منزہ ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ؓ متعدد احادیث کو قرآن کریم سے موازنہ کر کے ان کی صحت اور خطا کا فیصلہ کرتے تھے۔

مثلاً ایک روایت یہ ہے کہ ''زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد جنت میں داخل نہیں ہوگی''۔(۳) یہ روایت جب حضرت عائشہ ؓ نے سنی تو فرمایا: حَسْبُكُمُ الْقُرْآن ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (الانعام:۱۶۴) ''تمہیں قرآن کافی ہے' جس کے رو سے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔ یا یہ روایت کہ ''دنیا کی مدت سات ہزار برس ہے' اس کے بعد دنیا ختم ہو جائے گی''۔(۴) جو قرآنی آیت: ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب:۶۳) ''کہہ دیجیے کہ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے'' کے خلاف ہے۔

لہٰذا ایسی حدیث جو قرآنی صراحت یا اس کے عمومات و ظواہر کے خلاف ہو اسے راوی کا وہم سمجھا جائے گا۔

(۲) حدیث کا سنتِ مشہورہ سے موازنہ: حدیث کا سنت مشہورہ سے موازنہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جو سنت بطریقِ تواتر یا بطریقِ شہرت لوگوں میں جانی پہچانی جاتی ہے اور لوگوں کا اس کے مطابق عمل بھی ہے' حدیث اگر اس مشہور سنت کے خلاف ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو یہ جزئی کسی خاص شخص یا وقت یا حال کے اعتبار سے کوئی استثنائی صورت تھی' مثلاً تنہا حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ کی شہادت کو دو کے قائم مقام کرنا' یا جیسے یہ روایت: قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَمِيْنٍ وَشَاهِدٍ(۵) ''رسول اللہ ﷺ نے ایک یمین اور ایک شاہد کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا'' جو سنت مشہورہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ سے منقول فیصلے' اسی طرح خلفاء راشدین ؓ سے منقول فیصلوں میں قدرِ مشترک یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کم از کم دو گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کیا جائے' لہٰذا یہ حدیث اس پر محمول ہوگی کہ خصمین کے درمیان بطورِ مصالحت آپ نے ایسا کیا ہے نہ کہ بطورِ قضا۔ بصورتِ دیگر یہ حدیث قرآنی آیات: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ﴾ (البقرۃ:۲۸۲) ''اور گواہی دیں دو گواہ تمہارے مردوں میں سے'' اور ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق:۲) ''اور گواہی دیں تم میں سے دو عادل لوگ'' کے خلاف واقع ہوگی۔ یا یہ سمجھا جائے گا کہ وہ حدیث منسوخ ہے یا مؤول ہے یا غیر ثابت۔ مثلاً حدیث ''اگر جنابت کی حالت میں کسی نے صبح کی تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے''۔(۶) اگرچہ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے‘ لیکن جمہور نے اس حدیث کو سنت مشہورہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کثیر طرق سے اس مضمون کی حدیثیں مروی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صبح فرماتے تھے اور پھر غسل فرما کر نماز فجر پڑھانے کے لیے برآمد ہوتے تھے اور اس دن کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ امام ترمذی نے روایت نقل کی:

اخبرتنی عائشة و ام سلمة زوجا النبی ﷺ ان النبی ﷺ کان یدرکه الفجر وهو جنب من اهله ثم یغتسل ویصوم۔ قال ابوعیسیٰ حدیث عائشة وام سلمة حدیث حسن صحیح والعمل علی هذا عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرهم وهو قول سفیان والشافعی واحمد واسحٰق(7)

’’(اُمہات المومنین) حضرت عائشہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بعض مرتبہ) جنابت کی حالت میں صبح کرتے تھے‘ پھر غسل فرما کر روزہ رکھتے تھے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ حضرت عائشہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن اور صحیح ہے اور اسی پر اصحابِ رسول اور ان کے علاوہ اکثر اہلِ علم کا عمل بھی ہے اور یہی رائے ائمہ میں سفیان (ثوری)‘ شافعی‘ احمد بن حنبل اور اسحٰق (بن راہویہ) کی بھی ہے۔‘‘

(۳) **حدیث کا اجماعِ امت سے تقابل**: اگر کوئی ایسی حدیث وارد ہو جس کے خلاف امت کا اجماع ہو گیا ہے تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا کسی علت کے ذریعہ معلول ہے‘ چنانچہ حکم شرعی کی بنا اس پر نہیں رکھی جا سکتی۔ مثلاً وہ حدیث جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’چور اگر چوتھی مرتبہ چوری کرے تو اسے قتل کر دو‘‘۔(8) یہ حدیث اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ ’’شروع میں ایسا ہی حکم تھا‘ پھر بعد میں منسوخ ہو گیا‘‘۔ محمد بن اسحاق نے محمد بن منکدر کے واسطہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے‘ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص شراب پیے اسے کوڑے لگاؤ‘ اگر چوتھی بار پیے تو اسے قتل کر دو۔ پھر اس کے بعد ایک شخص آپؐ کے پاس لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی تو آپ نے مناسب سزا دے کر اسے چھوڑ دیا‘ قتل نہیں فرمایا۔ حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون منقول ہے‘‘۔ اس کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ’’اس پر تمام اہلِ علم کا عمل ہے۔ اس سلسلہ میں متقدمین ومتاخرین میں سے کسی کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں ہے‘‘۔(9)

اسی طرح یہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پرندے کا پکا ہوا گوشت تھا‘ آپؐ نے دعا فرمائی کہ: ’’اے اللہ میرے پاس ایسے شخص کو بھیج دے جو تیری مخلوق میں سب سے زیادہ تجھ کو محبوب ہو جو میرے ساتھ اس کھانے میں شریک ہو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپؐ کے ساتھ تناول فرمایا‘‘۔(10) اس حدیث میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اُمت میں سب سے افضل قرار دیا گیا ہے جو اجماع کے خلاف ہے‘ کیونکہ باجماعِ اُمتِ صحابہ میں افضل ترین شخصیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اس کے علاوہ محققین نے اس کی اسنادی حیثیت پر بھی کلام کیا ہے۔(11)

(۴) **حدیث کا باب کی دوسری احادیث سے موازنہ**: منقول حدیث کی صرف اسنادی حیثیت ہی سب کچھ نہیں ہوتی‘ بلکہ اس کے ساتھ پورے ذخیرۂ حدیث پر مجموعی نظر ڈال کر اس باب سے متعلق جتنی احادیث ہوتی

ہیں سب کو جمع کر کے ان میں موازنہ کیا جاتا ہے' اس کے بعد اصل الفاظِ نبوی تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے' یا ان مختلف احادیث میں منشاءِ نبوی سے قریب تر کی شناخت وتعیین کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۵) حدیث کا عمل متوارث سے موازنہ: تمام ائمہ کے یہاں عمل متوارث کی اہمیت ہے' چنانچہ امام مالکؒ حدیثوں کو ''عمل اہلِ مدینہ'' کی کسوٹی پر پرکھتے تھے اور جس حدیث کو ''عملِ اہلِ مدینہ'' کے مطابق نہیں پاتے تھے اسے قابلِ عمل نہیں سمجھتے تھے۔ امام مالکؒ نے ایک مرتبہ امام لیث بن سعد کو خط میں لکھا:

''لوگ اہلِ مدینہ کی اتباع کرتے ہیں' مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور یہیں قرآن کے احکام نازل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے سامنے تھے اور وحی وقرآن ان کے سامنے نازل ہوا۔ حضور ﷺ حکم دیتے تھے اور صحابہ اس پر عمل کرتے تھے۔ آپ ﷺ انھیں سکھاتے تھے وہ اس کا اتباع کرتے تھے' یہاں تک کہ حضور کی وفات ہوئی اور آپ کے بعد اُمت میں ایسے صاحب امر (خلفاء مانند حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وغیرہ) ہوئے جن کی لوگوں نے اتباع کی۔ صحابہ کے بعد تابعینؒ اسی مسلک پر چلے اور ان ہی سنتوں کی پیروی کرتے رہے' اس سے ہم نے کسی کو اختلاف کرتے نہیں پایا۔ اس لیے جس چیز پر اہل مدینہ کا اجماع ہو چکا اس کے خلاف عمل کرنا یا اس سے اختلاف کرنا میرے نزدیک جائز نہیں''۔ (۱۲)

اسی طرح محمد ابوزہو امام مالک کے شرائط اور اصولِ نقدِ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاشترط فی قبول خبر الواحد ان لا یعمل علی خلافة الجمھور والجم الغفیر من اھل المدینة اذ ان علمھم بمنزلة روایتھم عن رسول اللہ ﷺ وروایة جماعة عن جماعة اولیٰ بالقبول من روایة فرد عن فرد (۱۳)

''امام مالک نے قبولیتِ حدیث کے لیے یہ شرط رکھی کہ اس کا متن جمہور اہل مدینہ کے عمل کے خلاف نہ ہو' اس لیے کہ اہلِ مدینہ کا عمل رسول اللہ ﷺ سے بمنزلہ روایت کے ہے اور ایک جماعت کا دوسری جماعت سے روایت کرنا قبولیت کے اعتبار سے زیادہ اولیٰ ہے بنسبت ایک فرد کا دوسرے فرد کے روایت کرنے سے۔''

حدیثوں کے معاملہ میں امام مالک کے شیخ ربیعہ اور دوسرے ائمہ تابعین' جیسے محمد بن ابی بکر اور عمرو بن حزم کا بھی یہی عمل تھا جو مدینہ میں عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ ان کے بہت سے فیصلے خبر واحد کے خلاف اور عمل اہل مدینہ کے مطابق ہوتے تھے۔ چنانچہ امام مالک سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں:

''میں نے محمد بن ابی بکر اور عمرو بن حزم کو دیکھا کہ وہ مدینہ کے قاضی تھے۔ ان کے بھائی عبداللہ کے پاس حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور ثقہ تھے۔ لیکن جب کسی معاملہ میں حدیث ایک طرف اور عمل اہل مدینہ دوسری جانب ہوتا تو یہ دونوں حضرات عمل اہل مدینہ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اس پر ان کے بھائی عبداللہ ان سے کہتے کہ یہ فیصلہ حدیث کے خلاف ہے تو محمد بن ابی بکر کہتے: ہاں' لیکن اہل مدینہ کے صلحاء کا عمل اس سے قوی تر ہے۔'' (۱۴)

دوسری طرف اہل کوفہ سیدنا عبداللہ بن مسعود' حضرت علی مرتضیٰ' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم جیسے اجلہ صحابہؓ کے عمل کو حدیثوں کی نقد وتحقیق کی بنیاد مانتے تھے۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام ؓ جن جن ملکوں اور شہروں میں گئے وہاں وہ اشاعتِ اسلام اور سنتِ نبوی کی خدمت میں مصروف رہے۔ لوگوں نے ان کی اقتدا واتباع کی' لہٰذا صحابہ کرام ؓ کے ذریعہ جو عمل عمومی طور پر نقل در نقل ہوتا ہوا آیا وہ کسی مضبوط اصل پر مبنی تھا اس لیے اس کا احترام لازمی ہوگا۔ سلف میں نقدِ حدیث کی اصل کسوٹی عمل متوارث ہی تھا' چنانچہ دوسری صدی کے اختتام تک اہلِ علم عمومی طور پر اخبارِ احاد کو سلف کے معمول پر رکھ کر اس کی صحت وسقم کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔

(۶) حدیث کا شریعت کے مسلمہ اُصولوں سے موازنہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء کرام کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ اور عمل صحابہ میں وارد مختلف احکام سے متعلق ہدایات واشارات میں غور کر کے ایک قدر مشترک اصول مستنبط کرتے ہیں جو قوت میں سنت مشہورہ سے کم نہیں ہوتا' اگرچہ خاص اس مضمون کو ادا کرنے والی نصوص کسی مضبوط سند سے منقول نہ ہوں۔ جیسے یہ روایت کہ ''جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ جہنم میں نہیں جائے گا''۔ (۱۵) حافظ ابن قیمؒ نے اس طرح کی روایات کو موضوع قرار دیا۔ (۱۶) کیونکہ اصول شریعت سے یہ بات ثابت ہے کہ قیامت میں کوئی شخص رنگ ونسل' نام ولقب' جنس وذات' قرابت ورشتہ داری' کسی پیر یا پیغمبر کی طرف نسبت وغیرہ کے ذریعہ نجات نہیں حاصل کر سکتا۔ نجات کا دارومدار ایمان وعمل صالح پر ہے۔

(۷) خبر واحد کا ایسے مسئلہ سے متعلق ہونا جس میں عموم بلویٰ ہو: عمومِ بلویٰ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حدیث کسی ایسے مضمون سے متعلق ہو جس کے شہرت اور استفاضہ کے ساتھ لوگوں میں اس کے پھیلنے کے اسباب موجود ہوں اور اس کے جاننے کی سبھی کو حاجت بھی ہو' اس کے باوجود ایک ہی شخص اس کو روایت کر رہا ہے تو یہ بات شبہ پیدا کرتی ہے اور اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے حکم عام کا درجہ نہ دیا جائے۔ مثلاً بسرہ بنت صفوانؓ کی حدیث کہ ''مسّ ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے''۔ (۱۷) اس روایت کو مرد صحابہ میں کوئی بھی روایت نہیں کرتا جب کہ اس کا علم تمام مردوں کو ہونا چاہیے تھا۔ لہٰذا اس اصول کی بنیاد پر یہ حدیث ترک کر دی گئی۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ میں دوسری حدیث بھی ہے جس میں صراحت سے یہ بات بیان کی گئی کہ مسّ ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ نبی اکرم ﷺ سے اس مسئلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَهَلْ هُوَ اِلَّا مُضْغَةٌ مِنْهُ اَوْ بُضْعَةٌ مِنْهُ)) (۱۸) ''کیا وہ جسم کا ایک حصہ نہیں؟''

(۲) علم ناسخ الحدیث ومنسوخہ

معرفتِ حدیث کے لیے جو علوم درکار ہیں ان میں اہم علم ناسخ اور منسوخ حدیثوں کا ہے' جب تک اس علم میں مہارت نہیں ہوگی متعارض نصوص میں صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

نسخ کے لغوی معنی ختم کرنا' زائل کرنا ہے اور اصطلاحِ شریعت میں، شارع کی جانب سے حکم سابق کو ختم کر دینا۔ کیونکہ شارع کی نگاہ میں کسی حکم کو دینے میں کوئی مصلحت اور غرض ہوتی ہے' جب وہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو حکم اول منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر نسخ کی دو قسمیں ہیں: (۱) نسخ منصوص (۲) نسخ اجتہادی۔

(۱) نسخ منصوص: کبھی دلیل نسخ خود مرفوع نص میں وارد ہوتی ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تم

کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' اب تم ان کی زیارت کر سکتے ہو"۔ (۱۹)

یا دوسری مثال: ''میں نے تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے کو منع کیا تھا' اب تم جتنے دن چاہو رکھ سکتے ہو۔''(۲۰)

(۲) نسخ اجتہادی: نسخ اجتہادی یہ ہے کہ دو متعارض دلیلوں میں سے کسی ایک کا صحابی کے قول سے متاخر ہونا معلوم ہو' یا تاریخ سے مقدم یا مؤخر ہونا معلوم ہو' یا ممانعت سے' یا قواعد کلیہ کے ساتھ معارض ہونا معلوم ہو' یا نص متواتر یا مشہور کے ساتھ تعارض ہو' یا روایت اس صحابی کے عمل کے خلاف ہو جس سے وہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ ذیل میں نسخ اجتہادی کی مثالیں علی ترتیب المذکور بیان کی جاتی ہیں۔

صحابی کے قول سے نسخ کا علم ہونا: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کرنا اور نہ کرنا دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا' لیکن بعد والا عمل وضو نہ کرنا تھا۔

> قال ابو عیسیٰ والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین و من بعدھم مثل سفیان وابن المبارک والشافعی واحمد واسحق رأو ترک الوضوء مما مسّت النّار وھذا آخر الامرین من رسول اللّٰہ ﷺ وکان ھذا الحدیث ناسخ للحدیث الاول حدیث الوضوء مما مسّت النّار (۲۱)
>
> ''امام ترمذی نے فرمایا کہ اسی پر عمل ہے اکثر اہلِ علم اور اصحابِ رسول اور تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مثلاً سفیان' ابن المبارک' شافعی' احمد' اسحٰق کے یہاں۔ ان کی رائے آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھانے سے وضو نہ کرنے کی ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مختلف عمل میں سے آخری عمل ہے اور یہ حدیث الوضوء مما مسّت النّار کے لیے ناسخ ہے۔''

تاریخ کے ذریعہ نسخ کا علم ہونا: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث ((اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ))(۲۲) ''سینگی لگانے والا اور لگوانے والا روزہ نہ رکھے'' جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوائی حالانکہ آپ روزہ سے تھے''۔(۲۳) سے معارض ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث پہلی حدیث کے لیے ناسخ ہے' کیونکہ دوسری حدیث حجۃ الوداع ۱۰ھ اور پہلی ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع کی ہے۔(۲۴)

ممانعت کے ذریعہ نسخ کا علم: ممانعت کے ذریعہ نسخ کا مطلب یہ ہے کہ دو ایسی حدیثیں آپس میں متعارض ہوں جن میں سے ایک سے کسی چیز کی حرمت اور دوسری سے مباح ہونا معلوم ہوتا ہو۔ تو چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اس لیے مبیح (حلت بیان کرنے والی) حدیث کو منسوخ اور حرمت و ممانعت بیان کرنے والی حدیث کو ناسخ مانا جائے گا۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گوہ کھانے کی حلت معلوم ہوتی ہے۔(۲۵) جبکہ عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔(۲۶) لہٰذا حضرت عبدالرحمٰنؓ کی حدیث کو ناسخ مانا جائے گا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی حدیث کو منسوخ۔

شرعی قواعد کلیہ کے ذریعہ نسخ کا علم: فقہاء کرام کسی حدیث کے شرعی قواعد کلیہ سے مخالف ہونے کی بنا پر بھی

اس کے منسوخ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جیسے حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کے متعلق جس نے اپنی بیوی کی باندی سے وطی کر لی تھی یہ فیصلہ دیا کہ اگر اس نے زبردستی کی ہے تو باندی آزاد ہو گئی اور اس پر اس کی مالکن کے لیے اس باندی کا مثل دینا واجب ہے اور اگر اس باندی کی مرضی سے اس نے یہ کام کیا تو باندی اس شخص کی ہو گئی اور مالکن کے لیے اس باندی کا مثل اس پر واجب ہے۔[۲۷]

امام خطابی فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ فقہاء میں سے کوئی بھی اس حدیث کا قائل ہو گا' کیونکہ اس میں چند چیزیں ہیں جو اصول کے خلاف ہیں:

(۱) **ایجاب المثل فی الحیوان** (حیوان کا ضمان مثل سے واجب ہونا)۔

(۲) **استجلاب الملك بالزنا** (زنا کے ذریعہ ملکیت حاصل کرنا)۔

(۳) **اسقاط الحد عن البدن وایجاب العقوبة فی المال' وھٰذہ کلھا امور منکرة لا تخرج علی مذھب احد من الفقھاء وخلیق ان یکون الحدیث منسوخا ان کان له اصل فی الروایة۔**[۲۸]

''بدن پر سے حد ساقط کر کے مال میں سزا واجب کرنا۔ یہ تمام باتیں انوکھی ہیں' کسی فقیہ کے مذہب سے میل نہیں کھاتیں۔ اس لیے یہ حدیث اگر اصولِ روایت کے مطابق ثابت بھی ہو تو منسوخ کہی جانے کے زیادہ مستحق ہے''۔

صحابی کے عمل کے خلاف روایت: جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ کتا اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کا سات مرتبہ دھونا ضروری ہے' لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے خلاف تھا۔[۲۹]

(۳) علم غریب الحدیث

غریب الحدیث ان مشکل الفاظ کو کہتے ہیں جو کسی حدیث کے متن میں پائے جاتے ہیں' جن کے معنی و مراد قلیل الاستعمال ہونے یا مختلف معنوں کا احتمال رکھنے کی وجہ سے واضح نہ ہوں۔

حدیث شریف کی معرفت کے لیے سب سے پہلے اس کے الفاظ کے لغوی معنی کا علم ہونا از حد ضروری ہے' کیونکہ متن سے حکم شرعی یا مرادِ نبوی پہچاننا الفاظ کے لغوی معنیٰ جاننے پر موقوف ہوتا ہے۔ اسلام کا دائرہ جوں جوں وسیع ہوتا گیا اور حدودِ عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہونا شروع ہوا اسی وقت سے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ الفاظِ حدیث کی 'لغتِ عرب' اور 'مرادِ نبوی' کی حیثیت سے شرح کر دی جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے امام سفیان ثوری اور امام مالک وغیرہ نے جستہ جستہ اپنے کلام میں غریب الحدیث کی وضاحت کی۔ لیکن باضابطہ طریقہ پر اس فن میں تصنیف کا سلسلہ شروع کرنے والے ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ ہیں۔ ان کے بعد ابوعبید قاسم بن سلام (۲۲۴ھ) نے غریب الحدیث والآثار اور عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ) نے ''غریب الحدیث'' لکھی۔ اسی طرح ابراہیم بن اسحٰق حربی (م ۲۸۵ھ) اور ابوسلیمان خطابی (م ۳۸۸ھ) کی ''غریب الحدیث'' بھی اس فن کی مشہور کتابیں ہیں۔

بعد کے زمانہ میں انتہائی جامع اور معتبر تصنیف ''النھایة فی غریب الحدیث'' لکھی گئی' جس کے مصنف

ابن الاثیر جزری (م ۶۰۶ھ) ہیں۔ ابن الاثیر جزری ہی نے اپنی دوسری اہم ترین کتاب ''جامع الاصول'' میں حدیث کے وضاحت طلب الفاظ کی بہترین تشریحات فرمائی ہیں۔

فخر المحدثین بالہند علامہ محمد بن طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) کی مجمع بحار الانوار بھی اس فن کی بے مثل کتاب ہے۔

(۴) علم فقہ الحدیث

علم فقہ الحدیث سے مراد ان احکام شرعیہ کی معرفت حاصل کرنا ہے جو نصوصِ حدیث میں صراحۃً یا دلالۃً یا اشارۃً پائے جاتے ہیں۔ فقہ الحدیث پر سیر حاصل گفتگو عام طور پر ان کتب میں ہوتی ہے جو حدیث کی کسی کتاب کی شرح کے طور پر تصنیف کی جاتی ہیں۔ ذیل میں کچھ ایسی شرحوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو خاص طور پر فقہ الحدیث، مذاہب فقہاء، ان کے ادلہ، متعارض ادلہ میں بعض کے وجوہِ ترجیح اور دیگر خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ الاستذکار الجامع لمذاهب فقها الامصار وعلماء الاقطار فیما تضمنه الموطا من معانی الرأی والآثار لابن عبدالبر الاندلسی (م۳۶۸ھ)

۲۔ تهذیب الآثار لابن جریر طبری (م۳۱۰ھ)

۳۔ المفهم فی شرح ما اشکل من تلخیص صحیح مسلم للقرطبی (م۶۷۱ھ)

۴۔ فقه السنن والآثار معالم السنن (شرح ابی داؤد) للخطابی (م۳۸۸ھ)

۵۔ المنهاج علیٰ صحیح مسلم بن الحجاج المعروف بشرح النووی (م۶۷۶ھ)

۶۔ احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام لابن دقیق العید (م۷۰۲ھ)

۷۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر (م۸۵۲ھ)

۸۔ عمدة القاری شرح صحیح البخاری لبدرالدین عینی (م۸۵۵ھ)

۹۔ نیل الاوطار للشوکانی (۱۲۵۰ھ)

۱۰۔ بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد للشیخ خلیل احمد سهارنپوری (م۱۳۴۶ھ)

۱۱۔ فتح الملهم لشرح صحیح مسلم للعلامة شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)

۱۱۔ اوجز المسالك الی موطا مالك للشیخ محمد زکریا (۱۴۰۲ھ)

۱۲۔ اعلاء السنن للعلامة ظفر احمد عثمانی التهانوی (م۱۳۹۴ھ)

(۵) علم اسباب ورود الحدیث

حدیث کے سبب ورود سے مراد وہ پس منظر ہے جس کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے کوئی بات ارشاد فرمائی یا حدیث کی قولی، فعلی وتقریری انواع کا تحقق ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ حدیث شریف کے صادر ہونے کا جو سبب ہوتا ہے اس کے ذریعہ مرادِ حدیث کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، چنانچہ وہ حدیثیں جن کا سبب ہو یا کوئی پس منظر ہو جس میں وہ حدیثیں بیان کی گئیں یا کوئی ایسا موقع جس کے لیے صحابی نے وہ حدیث پیش کی ان سب کے ذریعہ حدیث کو اس کے صحیح معنیٰ پر محمول کرنے

میں سہولت ہوتی ہے۔ اس کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر صرف لغوی معنی کے اعتبار سے مراد متعین کرنے کی کوشش کی جائے گی تو مراد کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے اور خطرناک نتیجے تک پہنچا سکتی ہے۔ مثلاً: ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ))(۳۰) ''تم اپنے دُنیوی معاملات کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہو۔''

اس حدیث کو بعض لوگ اقتصادی سیاسی اور معاشرتی مسائل میں اپنی من گھڑت اسکیموں اور طریقۂ کار کی ترویج کے لیے پیش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دُنیوی معاملات میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی دخل نہیں دیا' حالانکہ اگر اس حدیث کا پس منظر اور شانِ ورود معلوم ہو تو کوئی عقل مند شخص اس طرح کی بات کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں مختلف الفاظ سے یہ قصہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصارِ مدینہ کو نر اور مادہ درختوں میں جفتی کراتے دیکھا تو فرمایا کہ تم یہ کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ایک سال یہ عمل نہیں کیا تو پھل اچھے برآمد نہیں ہوئے آپ ﷺ سے شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا: ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ))۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث ایک خاص محل اور پس منظر میں بطورِ مشورہ کہی گئی ہے جس کا تشریع و قانون سازی سے تعلق نہیں ورنہ اقتصادیات و معاشیات سے متعلق تمام احادیث و آیات کا معطل ہونا لازم آئے گا۔

(۶) علم مشکل الحدیث

علم مشکل الحدیث نام ہے ان قواعد و ضوابط کا جن کے ذریعہ کسی ایسی حدیث کی مراد واضح کی جا سکے جو کسی وجہ سے مخفی رہ گئی ہو' بایں طور کہ اس کا ظاہری لفظ کسی محال معنی پر دلالت کر رہا ہے یا وہ قواعد شرعیہ یا عرفیہ کے معارض ہے۔ اس کا مصداق وہ حدیثیں بھی ہونگی جن کا آپس میں تعارض ہو اور وہ حدیثیں بھی ہوں گی جن کا معنی مرادی واضح نہ ہو' بوجہ کسی امر عقلی یا شرعی یا عادی سے میل نہ کھانے کی وجہ سے۔

عام طور پر کسی حدیث کے مشکل ہونے کے درج ذیل اسباب ہوتے ہیں:

(۱) دو یا چند حدیثوں کے درمیان باہم تعارض۔

(۲) ظاہر حدیث کا قرآن کے ظاہر سے یا اجماع سے یا واقعہ تاریخی سے یا عقل سے تعارض۔

(۳) لفظ حدیث کے غریب اور نامانوس ہونے کی وجہ سے یا ایک سے زائد معنی میں مشترک ہونے یا مطلق ہونے کی وجہ سے یا معنیٰ لغوی اور معنیٰ مرادی کے درمیان مناسبت بعید ہونے کی وجہ سے حدیث کے معنیٰ مخفی ہو جاتے ہیں۔

(۴) حدیث سے حکم شرعی مستنبط کرنے کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف کا پایا جانا۔ چنانچہ بسا اوقات دو مختلف نظریہ کے حامل فقہاء اپنے اپنے موقف کی تائید میں اسی ایک حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ فرق صرف طریقہ استدلال کا ہوتا ہے' اس لیے اہلِ علم کے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ حدیث فی الواقع کس موقف کی تائید کر رہی ہے۔

(۵) حدیث کے ظاہری معنی کا تحقق عقلاً یا شرعاً یا دونوں اعتبار سے محال ہونا۔

مشکل الحدیث کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں' لیکن یہاں ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے جو قرآن سے

تعارض کی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح یہ چاند دیکھتے ہو اس کے دیکھنے میں بھیڑ اور جھگڑا نہیں کرو گے''۔ (۳۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں مؤمنین کو اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔ یہ حدیث معارض ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ (۳۲) سے ''نگاہیں اسے نہیں دیکھ سکتیں وہ نگاہوں کو دیکھ سکتا ہے'' جس میں بظاہر رویت باری تعالیٰ کی نفی کی گئی ہے۔

حواشی و مراجع

(۱) صحیح البخاری' کتاب الطب' باب لاعدویٰ۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ مجذوم کے سلسلہ میں روایات مختلف ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ صحابہ میں حضرت عمرؓ اور سلف میں ایک جماعت کی رائے مجذوم کے ساتھ کھانے کی ہے اور ان کے نزدیک امر بالا اجتناب منسوخ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے' جس پر اکثر ائمہ کا اتفاق ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے بلکہ دونوں حدیثوں کی جمع و تطبیق کی گئی ہے۔ یعنی اجتناب اور فرار کے حکم کو استحباب اور احتیاط پر اور ان کے ساتھ کھانا بیان جواز پر محمول کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:
فتح الباری' کتاب الطب' باب لاعدویٰ۔

(۲) ایضاً۔

(۳) اللالی المصنوعه، ص ۲۲'٤۲۳۔ علامه جلال الدین سیوطی' مطبع علوی' هند ۱۳۰۳ھ۔

(٤) المنار المنیف فی الصحیح و الضعیف' ص ۸۰' حافظ ابن قیم' بیروت ۱۹۷۰ء۔

(٥) سنن ابی داؤد' کتاب القضا' باب القضاء بالیمین و الشاهد۔

(٦) مسند احمد' ۲/۲٤۸' مطبع بولاق' مصر؛ ابن ماجه' ابواب ماجاء فی الصیام' باب ما جاء فی الرجل یصبح جنبا وهو یرید الصیام۔

(۷) سنن الترمذی' ابواب الصوم' باب ما جاء فی الجنب یدرکه الفجر وهو یرید الصیام۔

(۸) سنن الترمذی' ابواب الحدود' باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوه۔

(۹) ایضاً۔

(۱۰) سنن الترمذی' ابواب المناقب' باب مناقب علی بن علی طالب۔

(۱۱) قال الترمذی هذا حدیث غریب لا نعرفه من حدیث السدی (اسمعیل بن عبدالرحمن) الا من هذا الوجه (امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے' سدی کی اس روایت کو کسی دوسری سند سے ہم نہیں جانتے۔)
ابواب المناقب' باب مناقب علی بن علی طالب۔

(۱۲) مالك حیاته و عصره و آراء ه و فقهه ۔ ص ۱۲۲' ابوزہرہ' قاہرہ ۱۹۶۳ء۔

(۱۳) الحدیث و المحدثون' ص ۲۸۱' محمد محمد ابوزهو' مطبع مساهمه مصریه' مصر ۱۳۷۸ھ۔

(١٤) مالك حیاته و عصره و آراء ه و فقهه' ص ۱۲۲۔

(١٥) تذکرة الموضوعات' ص ۸۹' محمد بن طاهر علی بن علی فتنی' بمبئی (انڈیا) ۱۳۷۳ھ۔

(١٦) المنار المنیف' ص ٦۱۔

(۱۷) سنن الترمذی' ابواب الطهارة' باب الوضوء من مسّ الذکر۔

(۱۸) ایضاً' باب ترك الوضوء من مسّ الذکر۔

(۱۹) مسلم' کتاب الجنائز' فصل فی الذھاب الیٰ زیارة القبور۔
(۲۰) ایضاً۔
(۲۱) سنن الترمذی' ابواب الطھارة' باب فی ترک الوضوء مما غیرت النار۔
(۲۲) سنن الترمذی' ابواب الصوم' باب ماجاء فی کراھیة الحجامة للصائم۔
(۲۳) سنن الترمذی' ابواب الصوم' باب ما جاء من الرخصة فی ذالك۔
(۲٤) ایضاً۔
(۲۵) صحیح مسلم' کتاب الصید و الذبائح' باب اباحة الضب۔
(۲٦) سنن ابی ابوداؤد' کتاب الاطعمة' باب فی اکل الضب۔
(۲۷) سنن ابی داؤد' کتاب الحدود' باب فی الرجل یزنی بجاریة امرأته۔ وسنن النسائی' کتاب النکاح' باب احلال الفرج۔
(۲۸) معالم السنن شرح سنن ابوداؤد' للامام خطابی (م۳۸۸ھ)' ۳/۳۳۱' کتاب الحدود' باب فی الرجل یزنی بجاریة امرأته۔
(۲۹) سنن الترمذی' ابواب الطھارة' باب ماجاء فی سور الکلب۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل تین مرتبہ دھونے کا تھا۔ دیکھئے: فتح الملھم شرح مسلم' ازعلامہ شبیر احمد عثمانی' باب و کتاب مذکورہ من مسلم۔
(۳۰) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب وجوب امتثال ماقاله شرعا دون ماذکرہ ﷺ من معایش الدنیا علی سبیل الرأی۔
(۳۱) صحیح البخاری' کتاب مواقیت الصلوٰة' باب فضل صلوٰة العصر۔
(۳۲) سورہ الانعام' آیت ۱۰۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نگاہ اسے نہیں دیکھ سکتی' جب کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ یہ روایت درحقیقت ترجمان ہے سورۃ القیامہ کی: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾﴾ (القیامہ) ''اس دن بعض چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔ جبکہ کافروں سے متعلق فرمایا گیا: ﴿اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٥﴾﴾ (المطففین) ''وہ اپنے رب کو دیکھنے سے حجاب میں رہیں گے''۔ اس سے بھی اس بات کی دلالت ہوتی ہے کہ مؤمنین کے لیے حجاب نہیں ہوگا۔ مذکورہ حدیث کے سوا اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہے کہ جنت میں اللہ کا دیدار ہوگا' لہٰذا آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ کا مفہوم یہ ہوگا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں۔ یہی بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی ثابت ہے کہ جو یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو (شب معراج میں) دیکھا وہ جھوٹا ہے۔ پھر آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾۔ (صحیح البخاری' کتاب التفسیر' تفسیر سورة النجم) یعنی دنیا میں یہ ممکن نہیں۔ اس طرح حدیث اور قرآنی آیات میں کوئی اختلاف نہیں رہتا جو بظاہر الفاظ کو سامنے رکھ کر نظر آتا ہے۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔